دیباچہ

قلی قطب شاہ سے لے کر موجودہ زمانے تک اُردو غزل نے بہت سے چیلنجز کا سامنا کیا۔ ابہام گوئی، اصلاحِ زبان کی تحریک ہو یا سلاست، روانی اور آفاقیت کا مسئلہ، ہر عہد میں غزل نے خود کو سب سے مضبوط اور تابندہ صنفِ سخن ثابت کیا ہے۔ اُردو غزل نے ہمیشہ وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا لیکن انیسویں صدی کے اواخر میں یعنی غالبؔ کے بعد جب ایسا لگنے لگا کہ غزل خود کو وقت کی رفتار کے ساتھ ہم آہنگ کرنے سے معذور محسوس ہونے لگی ہے تو حالیؔ نے سوائے غزل کی ہیئت کے غزل کے داخل اور خارج دونوں کے تمام متعلقات پر سوال اُٹھایا۔

غزل میں ان سوالات کے جوابات اپنے متنوع اور ہمہ جہت طرزِ بیان سے دیئے۔

بیسویں صدی کے پہلے نصف میں اقبالؔ، یگانہؔ، جوشؔ، فیضؔ اور حسرتؔ وغیرہ وہ شعراء تھے جو موضوع اور اُسلوب کی سطح پر ایک دوسرے سے مختلف اور منفرد تھے۔ جس سے اُردو غزل توانا ہوئی اور سب سے بڑی صنفِ سخن ہونے کا اعزاز برقرار رکھا۔

۱۹۴۰ء کے قریب جب اُردو نظم نے نئے پیرائے اور علائم اختیار کرتے ہوئے اپنے عہد کی پیش کش کے اعتبار سے غزل کو پچھاڑنے کی کوشش کی تو کلیم الدین احمد نے بھی اس زمانے میں غزل پر ایسی ضربیں لگائیں کہ تقسیمِ ہند کے آس پاس کی غزل ناتواں محسوس ہونے لگی اور یہ سوالات کھڑے ہونا شروع ہو گئے کہ غزل اپنے عہد کے ساتھ چلنے کے صلاحیت رکھتی ہے؟ کیا غزل نے علائم کو اختیار کر سکتی ہے؟ بلکہ بعض دفعہ تو یوں بھی محسوس ہوا کہ کیا غزل ایک زندہ صنفِ سخن ہے بھی؟

درج بالا سوالات اور منظر نامہ ہی دراصل وہ محرکات ہیں جنہوں نے راقم کو اس موضوع کے انتخاب کی رغبت دلوائی۔ اوائل عمری سے ہی راقم کو غزل کی طرف خاص کشش محسوس ہوتی تھی اور ہمیشہ غزل کا مطالعہ مسرت اور لطف کا باعث رہا ہے۔ راقم ہمیشہ غزل کے سحر کے زیرِ اثر رہا اس لیے کوشش کی گئی کہ غزل سے متعلق تحقیقی مقالہ لکھ کر دادِ تحسین دی جائے۔ راقم نہ پاکستانی اُردو غزل کا اسالیبی تنوع کے عنوان سے ۱۹۴۷ء سے ۲۰۱۰ء تک کی غزل کا مطالعہ کر کے یہ مقالہ پیش کیا ہے کہ اُردو غزل ماضی کی طرح آج بھی نا صرف ایک زندہ صنفِ سخن ہے بلکہ اُسے اثر کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا ہے۔ ہندوستان میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص غزل ایک بارور شجر ہے اور روز بروز اس کے ثمرات اور پھیلاؤ میں وسعت اور تنوع آیا ہے۔

اس مقالے میں موضوع کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو مباحث یا تجزیات کئے گئے ہیں اُن سے متعلق چند معروضات کو بھی احاطہ قلم میں لانا ضروری محسوس ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ راقم نے اس مقالے میں صرف اُنہی شعراء کا تجزیہ اور تفصیلی مطالعہ کیا جو اسلوب یا طرزِ نگارش کے اعتبار سے اپنا الگ اور منفرد مقام

رکھتے ہیں یا ایسے شعراء جنہوں نے غزل کے خارج یا داخل ہر دو حوالوں سے اپنی الگ پہچان بنائی شعوری یا غیر شعوری سطح پر دیگر شعراء کا ضمنی حوالہ دے کر راقم نے اُن کی موجودگی، اہمیت اور روایت کے تسلسل کا اعتراف کیا ہے۔

اس مقالے میں موجود تمام ابواب اپنے موضوع اور اس کے پھیلاؤ اور اہمیت کے پیشِ نظر الگ الگ حیثیت کے حامل ہیں۔ اس وجہ سے ان ابواب کی ترتیب اور تنظیم بعض دفعہ دوسرے باب سے مختلف بھی ہو جاتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ شعوری کوشش کا نتیجہ ہے تا کہ اپنے Thesis کی پیش کش کو حتی الوسع جامع اور بامعنی بنایا جا سکے۔

اس مقالے میں بعض جگہ کسی رجحان تحریک یا کسی ادبی نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے تمہید کے طور پر پاکستانی شعراء کے ساتھ ساتھ ہندوستانی شعراء کے اشعار لکھے گئے ہیں۔ ان اشعار کا لکھا جانا ہندو پاک اُردو غزل کی مجموعی فضا کا عکاس ہے۔ تاہم ہمارا موضوع راقم کو صرف پاکستانی اُردو غزل سے متعلق بات کرنے کی اجازت دیتا ہے اس لیے مقالے میں جہاں کہیں ہندوستانی شعرا کے اشعار آ گئے ہیں اُن کی حیثیت ضمنی یا ثانوی ہے۔

پاکستانی اُردو غزل کا اسالیبی تنوع کے عنوان سے لکھے جانے والے اس مقالے کو چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اوّل میں اسلوب اور اس کے تشکیلی عناصر کو بیان کیا گیا ہے یعنی اُسلوب کی تشکیل کیونکر ممکن ہو پاتی ہے اور کن عناصر سے ہوتی ہے۔

باب دوم میں قیام پاکستان سے لے کر ۱۹۶۰ء تک کی غزل پر بحث کی گئی ہے۔ یہ تحدید صرف اس خیال سے کی گئی ہے کہ راقم کا مقصد اس بات میں جدیدیت کے مباحث کے آغاز سے پہلے تک کی غزل کا تجزیہ کرنا ہے۔ اس ضمن میں اس باب کی تین فصلیں بنائی گئی ہیں۔ پہلی فصل میں نو کلاسیکی، دوسری فصل میں ترقی پسند جب کہ تیسری فصل میں حلقہ اربابِ ذوق کے شعرا کا اسالیبی جائزہ لیا گیا ہے۔

باب سوم میں جدیدیت اور اس کے زیر اثر پیدا شدہ صورتِ حال کا اُردو غزل پر جو اثر ہوا اُس کو تفصیلی موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ اس بات کی دو فصلیں بنائی گئی ہیں۔ پہلی فصل میں جدیدیت کے زیر اثر تشکیل پانے والے اسالیب کے حوالے سے صاحبِ اُسلوب شعراء پر بات کی گئی ہے۔ جب دوسری فصل میں لسانی تشکیلات کے زیرِ اثر اُردو غزل کی لفظیات کی تبدیلی اور نئی لفظیات اختیار کیے جانے سے تشکیل پانے والے اُسلوب کی وضاحت کی گئی ہے۔

باب چہارم میں پاکستان کی مختلف علاقائی ثقافتوں کے جو اثرات پاکستانی اُردو غزل کے اسلوب پر ہوئے ان کا جائزہ لیا گیا ہے اور دیکھا گیا ہے کہ ثقافتی پیش کش کس طرح اُسلوب کو متاثر کرتی ہے اور اس ضمن میں اہم شعراء کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔

باب پنجم میں ۷۰ء کی دہائی میں ایک شعوری کوشش سے اُردو غزل میں داستانوی و اساطیری علائم کی پیش کش پر بحث کی گئی ہے۔

مصری، عربی اور ہندو یومالا کے تناظر میں ۷۰ء اور ۸۰ء کی دہائی کے اہم شعراء کی شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب ششم میں ۱۹۹۰ء سے ۲۰۱۰ء تک کے اہم شعراء کی شاعری کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ شعراء اسلوب کی سطح پر اپنی الگ شناخت بنانے میں کامیاب رہے ہیں یہی پہلو انہیں اپنے ہم عصروں سے منفرد بناتا ہے اور باب کے آخر میں ایسے کچھ شعرا کا نمونہ کلام درج ہے جن سے متعلق گمان ہے کہ وہ اپنی الگ راہ بنالیں گے۔

باب ہفتم میں ہم نے پاکستانی اردو غزل کی روایت کو آگے بڑھانے اور اس کے متنوع ہونے میں اپنا کردار ادا کرنے والی شاعرات کا ذکر کیا ہے۔ ان شاعرات کے ان شعری مجموعوں کو تجزیہ کرنے میں معاون سمجھا گیا ہے۔ جو یا تو کلی طور پر غزل کے مجموعہ کلام ہیں یا ان مجموعہ کا تجزیہ کیا گیا ہے جن میں اردو کی اہم شاعرات نے زیادہ حصہ غزل کو دیا ہے۔

ان ابواب میں ہم نے غزل کے اسالیبی تنوع سے متعلق اپنے موقف کو ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔

۱۹۹۶ء میں گورنمنٹ انسٹیٹیوٹ فار دا بلائنڈ (Govt. Institute for the Blind) میں چھٹی جماعت کے طالب علم کی حیثیت سے میرا داخلہ ہوا۔ شاعری کا شوق تو تھا ہی لہٰذا اسی برس امتحانات کے بعد ''دیوان ناصر کاظمی'' اپنے جیب خرچ سے خریدا، مطالعہ کیا اور آج تک اس سے مستفید ہو رہا ہوں۔ اس کتاب اور عظیم شاعر نے میرے اندر شعر کو پڑھنے سمجھنے اور غور کرنے کی جس لگن کو پیدا کیا وہ مجھے گہری تاریکیوں میں سے مثلِ چراغ رستہ دکھاتی ہوئی پی ایچ ڈی PHD تک لے آئی۔ میں شاید اُن چند خوش نصیب لوگوں میں سے ہوں جنہیں شاعری نے اپنے مطالعے کے لیے منتخب کیا۔ اس میں صرف اور صرف میری خوش بختی کا کمال ہے میری بساط اتنی نہیں تاہم شعر خوانی میری زندگی کا خوبصورت تجربہ ہوتا ہے۔ ۲ مئی ۲۰۱۱ء کو ''جی سی یونیورسٹی لاہور'' میں جب پی ایچ ڈی اُردو کے سکالر کے طور پر میری رجسٹریشن ہوئی تو یہ موقع میرے لیے ایک نعمتِ خداوندی سے کم نہ تھا۔ جی سی یونیورسٹی کے اساتذہ کی راہنمائی شفقت اور محبت نے مجھے یہ حوصلہ دیا کہ میں ''پاکستانی اُردو غزل پر'' ایک مقالہ تحریر کرنے کی جسارت کروں۔ میرے تمام اساتذہ شفقت اور محبت کی مجسم تصویر ہیں ڈاکٹر تبسم کاشمیری صاحب، ڈاکٹر سعادت سعید صاحب، ڈاکٹر ہارون قادر صاحب، ڈاکٹر سعید مرتضیٰ زیدی صاحب مرحوم، ڈاکٹر خالد سنجرانی صاحب اور ڈاکٹر اختر میرٹھی صاحب کی راہنمائی اور میرے جیسے نالائق کی حوصلہ افزائی میرے لیے متاعِ بے بہا سے کم نہیں۔

جی سی یونیورسٹی کے دیگر اساتذہ بھی میری معاونت اور مدد میں ہر ممکن مہربانی فرماتے رہے ہیں۔ اس کے لیے میں تمام اساتذہ کا احسان مند ہوں۔ ڈاکٹر نسیمہ رحمن جو اس مقالے کی تکمیل اور تحریر کے لیے میری نگران ہیں انہوں نے جس طریقے سے مجھے اس مقالے کی تکمیل کے لیے ہمت اور حوصلہ دیا اس کے لیے میں اِن کا شکر گزار ہوں انہوں نے مجھے اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کرنا سکھایا اور جس طرح مجھے وقت کے اندر مقالے کو مکمل کرنے کی تحریک دی یہ ان کا ایک ایسا احسان ہے جس کا بدلہ ممکن نہیں۔

یہاں پر میں صدرِ شعبہ اُردو جی سی یونیورسٹی لاہور، ڈاکٹر محمد خالد محمود سنجرانی اور سابقہ صدر شعبہ ڈاکٹر ہارون قادر کو بھی اظہار تشکر پیش کرتا ہوں کہ اُنہوں نے تعلیمی اور ترصیحی معاونت کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی میں مجھے درپیش انتظامی مسائل سے متعلق بے حد محبت اور سرپرستی فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب بڑی سادگی اور شفقت کے ساتھ اپنے تمام طالب علموں سے پیش آتے ہیں۔